کے قائم رہنے میں مطلق مضائقہ نہیں۔ یہ انتظام تو امت کی عین سہولت کے لیے تھا کہ ہر ایک کو اپنے اپنے مذاق و فہم و استعداد کے مطابق ایک سند مل جائے۔

غضب یہ ہوا کہ ان اختلافات پر جمود و عصبیت کا اضافہ ہو گیا، اور انھیں عین دین سمجھا جانے لگا---

جزئیات عقائد و جزئیات اعمال کے اندر اختلاف کی بڑی گنجایشیں ہیں۔ بہ قول حضرت اکبر الٰہ آبادی۔

ہر شیخ یہ کہتا ہے عقائد ہیں تو یہ ہیں!
توحید یہ کہتی ہے زوائد ہیں تو یہ ہیں

اقرار توحید و رسالت کے بعد واقعی دوسری چیزیں "زوائد" ہی میں داخل ہیں۔ یہ زوائد بھی ناقابل اعتنا نہیں۔ بعض زوائد بھی یقیناً بہت بڑی اہمیت رکھتے ہیں اور پورے اہتمام و توجہ کے مستحق ہیں۔ لیکن بہرحال اصل نہیں ہیں، فروع ہیں، جزو نہیں ہیں، شاخیں ہیں۔ شاخوں کے کٹ جانے سے درخت میں جتنی بھی بدنمائی پیدا ہو جائے درخت بہرصورت اپنی جگہ قائم رہے گا۔ جب تک کہ جڑ ہی پر صدمہ نہ پہنچ جائے۔

بالکل یہی حال دین کا ہے۔ اصل اور فروع (بہ شمول اہم فروع) کے درمیان فرق مراتب رکھنا لازمی ہے۔

جزئیات دین کا بھی تحفظ اپنی جگہ ضروری ہے لیکن اس میں شدت و غلو ہرگز نہ پیدا ہونے پائے بلکہ اعتدال و توازن کے ساتھ شاخ کو اصل کے ماتحت ہی رکھا جائے۔ ورنہ نتیجہ یہ ہو گا کہ فرقہ بندی بدترین شکلوں کے ساتھ پھوٹ پڑے گی، اور امت بے شمار فرقوں میں بٹ جائے گی۔ جس میں ہر فرد کو اپنا مخصوص فرقہ، امت سے کہیں بڑھ کر اہم و عزیز نظر آنے لگے گا۔ اور اس کی ساری ہمت بجائے امت کے، اس فرقے کا بول بالا رکھنے میں صرف ہو جائے گی۔ اسی کا نام تعصب ہے۔ ضرورت اس فرقہ واری عصبیت و حمیت کو اسلامی عصبیت و حمیت کے ماتحت اور اس سے مغلوب رکھنے کی ہے۔

کیا دین بھی کوئی ایسی مہیب و دشوار چیز ہے جس سے وحشت اور دہشت کی جائے۔ یہ تو زندگی کو بس سہل، سادہ اور فطری طریقے پر گزارنے کا نام ہے اور کسی سلیم الفطرت کو بھی اس سے گھبرانے اور ہول کھانے کی کوئی وجہ ہی نہیں۔ الٹا عین التفات اور رغبت ہی اس طرف ہونی چاہیے۔

زندگی، نام نہ کسی دقیق و غامض فلسفے میں در آنے اور اس کے اسرار و رموز کے سلجھانے کا ہے اور نہ اپنے اوپر سارے مرغوبات و مالوفات کے حرام کر لینے کا بلکہ خالق و مخلوق دونوں کے صحیح تعلقات کو سمجھ جانے اور ان کے برتنے کا نام ہے اور اسلام وہی ہے جو زندگی کو یہ نظام عطا کرتا ہے۔ الدین یسر کا دعویٰ لوٹ بدل کر قرآن و سنت رسولؐ نے بار بار پیش کیا ہے۔

جبر و اختیار

ثواب و عذاب، نیکی و بدی، خیر و شر--- اس دنیا میں جو کچھ ہے سب کی بنیاد انسان کی قوت انتخاب و اختیار ہی پر ہے۔ اس بنیادی و مرکزی حقیقت کو ذہن میں اتار لیا جائے۔ اگر انسان میں یہ قوت موجود نہ ہو تو وہ مجبور ہے کہ فلاں متعین راستے ہی کو اختیار کرے اور اس صورت میں انسان اور ایک بے جان مشین بالکل برابر ہیں اور جب انسان سلب ارادے کے بعد، مشین کی طرح بے بس و مجبور ہو گیا تو اب اس کے لیے نیکی، بدی، ثواب و عذاب، خیر و شر کے کوئی معنی ہی نہیں رہتے، جیسے کوئی متقی کرسی اور صالح دیوار اور نیک میز کوئی معنی ہی نہیں رکھتی۔ جانوروں، چھوٹے بچوں، پاگلوں پر کوئی سوال و جواب اسی لیے تو نہیں کہ وہ ارادے سے معریٰ اور قوت انتخاب سے محروم ہیں۔

اب اگر اللہ ہر انسان کو ہدایت لازمی طور پر دے رہا ہے تو اس کے صاف معنی یہ ہوئے کہ بندے سے اس کا ارادہ و اختیار چھن گیا۔ وہ ہدایت کی متعین راہ کے لیے مجبور و مضطر بنا دیا گیا اور بدی کی صلاحیت ہی اس سے سلب کر لی گئی۔ اس صورت میں نیکی، نیکی باقی ہی کب رہی؟ وہ تو سانس لینے اور حرکت قلب کی طرح ایک اضطراری اور لازمی چیز، جزو زندگی بن گئی۔

پھر ذرا اس کو بھی ذہن کے سامنے لے آیئے کہ عملاً یہ صورت حال اس دنیا میں ممکن کیونکر ہے؟ جب کوئی ظالم و مظلوم سرے سے باقی ہی نہ رہا تو داد رسی کس کی؟ اور فیصلہ کس کے درمیان ہوا؟ عدالتیں چھوٹی بڑی کوئی بھی باقی رہ سکیں گی؟--- جب کوئی چور، ڈاکو، لٹیرا، قاتل، زناکار، جعل ساز وغیرہ پایا ہی نہ جائے گا تو گواہ، قاضی، پولیس، فوج میں سے کسی چیز کا بھی وجود رہ سکے گا؟ حاکم و محکوم، افسر و ماتحت کے سارے ہی امتیازات فنا ہو جائیں گے اور جیل اور شفا خانے کی طرح جنت و دوزخ سب کا وجود بے کار ہی ہو کر رہ جائے گا۔ پیمبروں کی بعثت، کتب آسمانی کا نزول، ان کی شرح و تفسیر، واعظوں کا وعظ، عالموں کی تبلیغ سب تحصیل لاحاصل کے درجے میں ہوں گی۔ اس لیے کہ ہر شخص لازمی طور پر ہدایت یاب ہی ہو گا۔ غرض لزوم ہدایت کے فرض بے کے بعد عقل انسانی میں ہرگز نہیں آتا کہ دنیا کا نقشہ کیا سے کیا ہو کر رہے گا۔

سارا دھوکا مشیت خداوندی اور حکم خداوندی کے درمیان فرق نہ کرنے اور دونوں کو ایک سمجھ لینے سے پیدا ہو گیا ہے۔ پہلی چیز مرادف ہے علم خداوندی اور اس کے مطابق نقشہ تکوینی کے، اور دوسری چیز مرادف ہے مرضیات الٰہی اور ہدایات تشریعی کے۔ دونوں چیزیں بالکل الگ الگ ہیں اور دونوں ایک دوسرے کے نہ معارض و منافی ہیں نہ ایک دوسرے کی شریک و معین، نہ باہم مل جل کر رہنے والی، نہ باہم لڑ بھڑ کے، بلکہ ایک دوسرے کے متوازی اپنے اپنے خطوط پر چلنے والی۔

اب یہاں پہنچ کر مثال کے لیے ایک طبیب حاذق کو سامنے لایئے۔ اس کا علم بھی کامل اور اس کے نسخے

بھی بے خطا۔ مریض سے وہ بار بار تاکید پرہیز و احتیاط کی کرتا ہے۔ لیکن چونکہ خوب واقف ہے کہ مریض ان ہدایتوں پر عمل نہیں کر رہا ہے اس لیے ہلاکت یقینی ہے اور اس انجام کی پیش گوئی بھی وہ جزم و یقین کے ساتھ کر دیتا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس انجام میں طبیب کی مرضی یا خواہش کو مطلق دخل نہیں بلکہ یہ انجام تو عین اس کی مرضی کے خلاف اور اس کی عدول حکمی کا ثمرہ ہے۔

اللہ کا حکم اور اس کی رضا یہی ہے کہ ہر بندہ توحید و عمل صالح اختیار کرے۔ لیکن اپنے علم کامل سے وہ یہ بھی جانتا ہے کہ جو بندہ اپنی قوت ارادی و انتخاب کے غلط استعمال سے راہ شرک و معصیت پر چلے گا اس کا انجام جہنم ہی ہے۔ یہ نتیجہ اللہ کی مرضی اور تعمیل احکام کے عین خلاف اور اس کے قانون تکوینی و مشیتی کے ماتحت ہو گا۔

خدا اور رسول کی رحمت

ایک صاحب نے سوال کیا: "بہت دنوں سے میرے خیال میں یہ شبہ ہو رہا ہے کہ رسول اللہؐ تو پوری دنیا کے لیے رحمت بن کر آئے تھے، تو پھر کفار کے خلاف تلوار کیوں اٹھائی۔ بہت سے لوگوں سے پوچھا، مگر کوئی مطمئن نہ کر سکا" --- تعجب ہے کہ اس سے پہلے اور بہت پہلے آپ کے ذہن میں یہ سوال کیوں نہ آیا کہ اللہ میاں تو رحمٰن و رحیم ہیں بلکہ اپنے کو ارحم الراحمین کہلاتے ہیں مگر پھر یہ کیا ہے کہ دنیا میں ہر طرف کشت و خون، لوٹ مار، ظلم و تعدی جاری ہے! درندوں اور جنگلی، وحشی جانوروں کو چھوڑیے خود عالم انسانیت میں کس قیامت کی سفاکی و شقاوت آج سے نہیں اول روز سے برپا ہے۔ کتنے خون ناحق ہر روز ہوتے ہیں۔ کتنے مظلوم ہروقت چیختے چلاتے رہتے ہیں۔ کتنی سہاگنیں ہر روز بیوہ اور کتنے بچے ہروقت یتیم ہوتے رہتے ہیں۔ یہ سب آخر کیا ہے اور اس عالمی خلفشار و رستخیز کو رحمت کامل سے کیونکر تطبیق دی جائے۔ ہے یہ کہ ہم مشاہدہ انسانی کی کمی اور انتہائی محدودیت کے باعث رحمت کامل کا مفہوم سرے سے غلط سمجھتے ہیں۔ اگر مشاہدہ کامل ہوتا اور نگاہ اس درجہ محدود نہ ہوتی تو اس لامحدود و مسلسل کائنات کے ایک ایک جزیہ کو نظر کے سامنے لے آتے اور ہر کڑی کا ربط واضح طور پر دوسری کڑی سے دیکھ لیتے اور اس وقت کوئی چیز بھی ناگوار اور خلاف رحم دکھائی نہ دیتی۔

رسولؐ کی رحمت بھی خدا کی رحمت سے الگ نہیں۔ رحمۃ اللعالمینؐ کے معنی ہی صرف یہ ہیں کہ ہر موقع رحم پر آپ کا برتاؤ رحم ہی کا رہا، اور ہر دو عالم کے لیے آپ کا وجود باعث برکت و موجب رحمت اور وجہ فضل رہا اور سارے عالم کو فلاح و بہبود و ہدایت کا راستہ آپؐ ہی کی ذات سے ملا--- یہ مراد نہیں کہ آپؐ نے موقع بے موقع کا کوئی لحاظ ہی نہ رکھا اور اندھا دھند شیر اور بکری، سانپ اور چیونٹی اور سنکھیا اور شہد کے ساتھ ایک ہی معاملہ رکھا۔ ڈاکٹر نشتر بھی لگائے گا، ہاتھ پیر بھی کاٹے گا۔ طبیب مسہل بھی دے گا،

فاقہ بھی کرائے گا۔ کڑوی سے کڑوی دوا بھی پلائے گا۔ باپ لڑکے کی تادیب کے لیے سزا بھی دے گا اور یہ سب کچھ محبت، شفقت اور رحم ہی کے تحت ہو گا۔ ظلم و بے رحمی کا اطلاق ان میں سے کسی ایک موقع پر بھی نہ ہو گا۔

عام حالات اور ذاتی معاملات میں آپؐ کا برتاؤ انسان تو انسان جانوروں تک کے ساتھ شفقت و مہربانی کا رہا۔ آپؐ کی ہمدردی، نرم مزاجی، چشم پوشی، کریم النفسی دشمنوں تک کو مسلم تھی لیکن جب موقع سختی کا آ پڑا اور بجز کڑے آپریشن کے کوئی صورت مریض کے اور سارے عالم کی فلاح و بہبود کے لیے نہ رہ گئی تو حکم الٰہی سے آپؐ نے جہاد و قتال بھی کیا تاکہ دنیا کی راہ سے فساد دور ہو اور امن کی راہ کل عالم کے لیے کھل جائے۔ وَقٰتِلُوْهُمْ حَتّٰى لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّيَكُوْنَ الدِّيْنُ لِلّٰهِ (البقرہ ۲: ۱۹۳)، "تم ان سے لڑتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین اللہ کے لیے ہو جائے"۔

اسلامی لٹریچر

سوال: جماعت اسلامی کے زیر اثر اسلامی ادب کے کام کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟

جواب: بہت ہی اچھا خیال ہے۔ جماعت اسلامی ہند کے کاموں میں یہی تو ایسا ہے جس سے سو فی صدی اتفاق ہے--- اس خدمت سے بڑھ کر تو اور کوئی بھی دینی خدمت اس وقت نہیں کہ دنیا کے علوم و فنون کو مسلمان اور باخدا کیا جائے۔

عصر حاضر کے سارے فتنوں کا سرچشمہ تو یہی دنیا کے علم و فن کی خدا بیگانگی اور مذہب ناآشنائی ہے اور جس نے یہ کر لیا کہ جغرافیہ کو مسلمان کر لیا، تاریخ کو مسلمان کر لیا، ادب کو مسلمان کر لیا، سائنس کو مسلمان کر لیا، ریاضی کو مسلمان کر لیا، طب کو مسلمان کر لیا، اس نے ساری دنیا سے اسلام کا کلمہ پڑھوا لیا۔ گو ظاہر ہے کہ کام ہے اتنا عظیم الشان کہ ایک فرد کا کیا ذکر ہے، سو دو سو بڑے بڑے عالم و فاضل مل کر بھی نہیں انجام دے سکتے ہیں۔ دنیا کی ہزارہا یونی ورسٹیوں اور اکیڈمیوں سے بیک وقت لڑنا ہو گا۔ کم سے کم یورپ کی ۴، ۵ مشہور ترین زبانوں میں۔

سوال: رمضان شریف میں، میں نے محفل ذکر میں "برکات رمضان" سے کچھ پڑھ کر سنایا تھا تو سب نے بہت پسند کیا۔ صرف ایک بات تھی کہ اس میں اردو ذرا مشکل ہے اور یہاں کی عورتوں کے معیار سے اونچی۔ اس کے لیے میں نے سوچا تھا کہ اس کو عام فہم اردو میں لکھ کر سب کو دے دوں۔ لیکن پھر مصروفیات کی بنا پر یہ نہ ہو سکا۔

جواب: رائے درست تھی لیکن اگر ممکن ہو تو "اونچے" طبقے میں تبلیغ کی ضرورت اس سے اشد ہے۔ اس بے حیائی، آوارگی، فحش پسندی، بے اعتقادی بلکہ نیم ارتداد کا جو فتنہ "بیگمات" تک پہنچ چکا ہے، وہ شدید ترین ہے اور فوری توجہ کا محتاج۔ اس طبقے تک پہنچنے کے لیے مولانا مودودیؒ کی تحریریں بہت بہتر ہوں گی۔